مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

منشورِ اسلام (۱۶)

اسلام کی مطابقت پذیری (اجتہاد)

جب کسی نظریۂ حیات کی صورت یہ ہو کہ وہ ایک متعین نصب العین سے آغاز کر کے حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں مثلاً سیاست، معیشت، قانون، جنگ و صلح وغیرہ کا احاطہ کر سکے تو خود اس کی بقاء کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ یہ صورت بدرجۂ اتم اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں کبھی کبھی یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اسلام حیاتِ دنیوی کے بعض پہلوؤں کے ضمن میں تفصیلی احکامات نہیں دیتا، لیکن اس کے باوجود تاریخی حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام ایں دم جاری و ساری ہے اور کسی صحت مند نامیاتی وجود کی طرح یہ از خود اپنے مردہ حصوں کی تجدید نو کرتا چلا جاتا ہے۔ اسلام کو اپنے محکمات کے مرکز سے اتنی قوت حاصل ہوتی رہتی ہے کہ نئی نئی صورتوں میں اپنے متبعین کو ہدایات دے سکے۔ اسلام میں فکرِ نو کی اس صلاحیت کو اجتہاد کی اصطلاح کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

چونکہ اسلام فی الاصل صحیح نصب العین کے حیاتِ انسانی کے جملہ گوشوں پر اطلاق کا دوسرا نام ہے، یہ آج تک زندہ ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اگر کبھی حالات کی نامساعدت اسے مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے کسی گوشے سے خارج کر بھی دے، تو یہ بہت جلد اپنے آپ کو غالب کر کے اس گوشے پر دوبارہ حاوی ہو جاتا ہے جس طرح ایک ایسا نامیاتی وجود جو قوت اور جوشِ حیات سے لبریز ہو، بیماری کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر اپنی صحت بحال کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح اسلام خارجی اور داخلی ہر قسم کے مخالفانہ عناصر کے خلاف مدافعت کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس کے دائرہ اثر میں کوئی مخالفِ دین فکری تحریک پنپ نہیں سکتی۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان جدید دور کے لادینی فکر کے علی الرغم اسلامی دینی ریاست کے قیام کے خواہاں ہیں اور انہوں نے

اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی ماضی قریب میں دی ہے اور آئندہ بھی اس کے لیے تیار ہیں۔

اسلامی نظریۂ حیات کے اہم خدوخال

اسلامی نظریۂ حیات کے اہم ترین خدوخال ان اطوارِ عبودیت اور اخلاقی ضابطوں سے متعلق ہیں جو عہدِ رسالت سے مسلمانوں کو منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں وضاحت سے کہا جا چکا ہے، یہ خدوخال ہمیشہ مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ میں باقی رہنے ضروری ہیں۔ اسلامی نظریۂ حیات کے اہم ترین اور بنیادی ارکان یہ ہیں:

(۱): کلمۂ شہادت یعنی یہ گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔

(۲): صلوٰۃ یعنی پنج وقتہ باجماعت نماز کا اہتمام۔

(۳): زکوٰۃ یعنی متعیّن شرح سے فاضل سرمائے کا کچھ حصّہ معاشرے کے غریب اور نادار لوگوں کی اعانت اور فلاح و بہبود میں صرف کرنا۔

(۴): صوم یعنی سال بھر میں ماہِ رمضان کے روزے۔

(۵): حج، یا معیّن اوقات میں بیت اللہ کا حج و زیارات اور منیٰ و عرفات میں مسلمانوں کے عالمی اجتماع میں شرکت۔

مندرجہ بالا پانچ ارکان اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان ہی کی اساس پر اسلامی تہذیب و ثقافت کا قصرِ رفیع تعمیر ہوتا ہے۔ اسلام کی تمام تر خوبصورتی اور شان و شوکت کا انحصار ان ارکان کی پائیداری پر ہے۔ چونکہ ان ارکان اور عقائد کا تعلق انسان کی ابدی اور غیر متبدّل فطرت سے ہے، اس لیے ان میں بوسیدگی اور غیر متعلق ہونے کا عنصر کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت ان سے نہ صرف انسانی شخصیت کو ہمیشہ جلا ملے گا بلکہ یہ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے حیاتِ اجتماعی کے روحانی و اخلاقی ارتقار کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ مزید برآں مادی اعتبار سے بھی ان کے فوائد بے شمار ہیں۔

اس فکر کی تردید کہ ظواہر اسلام کا ابدی اور ضروری حصّہ نہیں ہیں

سطورِ بالا میں سوال نمبر ۴ کے جواب کے ضمن میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اسلام کا معاملہ دوسرے نظریہ ہائے حیات سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ ان میں ظاہری رسوم و رواج کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن اسلام میں ظاہری رسوم اور عبادات کی اہمیّت انتہائی زیادہ ہے اور یہ کہنا درست نہیں کہ ہمیں ان کی بجائے صرف اسلام کے بعض آفاقی پہلوؤں یا بنیادی اخلاقی تعلیمات ہی کو اہمیت دینی چاہیے۔ اسلام میں مناسکِ عبودیت کی بھی اتنی اہمیّت ہے جتنی اخلاقیات کی۔ اس لیے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی شکل کے مطابق جاری رکھنا ضروری ہے۔ تجدّد پسند حضرات کا یہ خیال کہ اسلام میں ظاہری عبادات کی چنداں اہمیت نہیں، متعدّد مغالطوں کی پیداوار ہے۔ ان میں سے ایک مغالطہ یہ ہے کہ فطری نظریہ ہائے حیات کے خارجی خدو خال صرف تبدیل ہوتے ہیں، کسی کمال کی جانب ارتقا پذیر نہیں ہوتے۔ دوسرا مغالطہ جس کا یہ لوگ شکار ہوتے ہیں، یہ ہے کہ متعیّن ظاہری و خارجی اعمال کی کسی فطری نظریۂ حیات کو ضرورت نہیں ہوتی اور ان کی تبدیلی سے اس کی بنیادی و مرکزی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ مغالطے حیاتِ انسانی کے خصائل و اوصاف کے بارے میں غلط نظریہ رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ حیاتیاتی اور نفسیاتی سطح پر جس طرح انسان ارتقا کر رہا ہے وہ خود اس بات کا متقاضی ہے کہ بعض مناسکِ عبودیت اور خارجی اعمال و رسوم کو مسلسل جاری رکھا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح کسی حیاتیاتی وجود کے لیے خارجی شکل و صورت اور وجود لازمی ہے اسی طرح مذہب یا نظریۂ حیات کے لیے بھی خارجی اعمال اور رسوم از بس ضروری ہیں جس طرح انسان جسمانی وجود اور رُوح کا مجموعہ ہے، اسی طرح ہر نظریۂ حیات بھی دو عناصر یعنی روحانی و اخلاقی تعلیمات (جو اس کا اصل جوہر ہوتا ہے) اور مخصوص خارجی اعمال و عبادات پر مشتمل ہوتا ہے۔ حیاتیاتی وجود کی طرح کسی نظریۂ حیات کے یہ دونوں عناصر ایک وحدت کے طور پر سامنے آتے ہیں اور ان کی تمام تر فعّالیت اور اثر انگیزی اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

ارتقائی عمل خواہ حیاتیاتی سطح پر ہو یا نفسیاتی سطح پر، در اصل خارجی ظواہر کے ارتقاء کا نام ہے

اور ظواہر کے بعض عناصر نفسیاتی اور حیاتیاتی ہر دو سطحوں پر یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ان میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ ارتقاء کی حیاتیاتی سطح پر تمام نامیاتی افراد کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے اور وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ فعالیت کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھ سکیں لیکن اس خواہش کو بدرجۂ اتم صرف انسان ہی حاصل کر سکا۔ بعینہٖ ارتقاء کے نفسیاتی سطح پر تمام نظریہ ہائے حیات کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کا مطلوبہ ہدف یا نصب العین زیادہ سے زیادہ متوازن اور حسین ہو۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، نظریہ ہائے حیات میں سے صرف دینِ اسلام اس نصب العین کو بتمام و کمال حاصل کر سکا ہے۔ متعین اور مستقل خارجی صورت کے بغیر کوئی نظریہ حیات یا آئیڈیالوجی اتنی ہی بے کیف اور زندگی سے عاری ہو گی جتنی کوئی نامیاتی ہستی بغیر مادی وجود کے ہوتی ہے۔

مکمل ترین آئیڈیالوجی کے تمام اوصاف اسلام میں پائے جاتے ہیں:

اسلام کے بحیثیت پیغمبرانہ نظریہ حیات چند اور عقائد بھی اہم ہیں جن کی اہمیت بالخصوص اس وجہ سے بھی ہے کہ اسلام کو نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ہر پہلو سے مکمل کر دیا اور یہ آسمانی ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے:

(۱) اسلام خالقِ کائنات کی توحید اور اس کی صمدیت پر بے انتہا زور دیتا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک یا ساجھی نہیں ہے۔ قرآن وضاحت کے ساتھ یہودیوں اور نصرانیوں کی عقیدۂ توحید میں ملاوٹ اور گمراہیوں کا ذکر کرتا ہے اور یہ کہ کس طرح انہوں نے اس تصورِ الٰہ ہی کو مسخ کر ڈالا جو ان کے نبیوں نے پیش کیا تھا۔ مسلمانوں میں آنحضورؐ کے بارے میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ وہ اللہ کی صفات سے متصف ہیں، حالانکہ امت کے ہر فرد کو آپؐ سے انتہائی محبت و عقیدت رہی ہے۔ مسلمانوں نے آپؐ کو ہمیشہ ایک بشر اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ وہ مرکزی اور بنیادی عقیدہ ہے جس سے نصب العینی محبت کو صحیح رُخ پر پروان چڑھایا جا سکتا ہے اور اس عبادت اور اخلاقی عمل کو صحیح رُوح کے ساتھ انجام دیا جا سکتا ہے جو تخلیقِ انسان کی واحد غرض و غایت ہے۔

(۲) بعض خصوصیات وہ ہیں جو اسلام کے آخری اور مکمل ترین دین ہونے کی وجہ سے ہمارے سامنے

آتی ہیں اور خود قرآن نے ان کو بالصّراحت بیان کیا ہے :

(ا) یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ خود آنحضورؐ کا قول ہے :

لَا نَبِیَّ بَعْدِی (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)۔

(ب) آنحضورؐ کی تعلیمات میں گزشتہ تمام نبیوں کی جملہ تعلیمات نقطۂ کمال وعروج تک پہنچی ہیں چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (المائدۃ : ۳)

(آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تمہارے اُوپر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر لیا)

(ج) آنحضورؐ کو دی گئی کتابِ ہدایت یعنی قرآن مجید رہتی دنیا تک بلا کم وکاست محفوظ و مامون رہے گی اور اس کا ذمّہ خود خالقِ کائنات نے لیا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر : ۹)

(بے شک اس ذکر کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورودِ مسعود دنیا میں اُس وقت ہوا جب تاریخ کی روشنی پوری آب و تاب سے موجود تھی۔ آپؐ کے صحابہؓ میں تاریخی حقائق سے وابستگی شدید تھی اور بالخصوص ان میں یہ صلاحیت بھی تھی کہ وہ تاریخی حقائق کو افسانوی قصص سے ممتاز کر کے تاریخی وقائع کو صحیح پس منظر میں دیکھ سکیں۔ نتیجۃً انہوں نے نہ صرف قرآن کریم کی کما حقّہٗ حفاظت کی، بلکہ آنحضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے واقعات، سیرت اور آپؐ کے فرامین کو بھی آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی ہوا ہے کہ بہت سے دشمنانِ دین نے غلط باتیں بھی آنحضورؐ سے منسوب کر کے انہیں عام کر دیا، لیکن مسلمانوں کے اجماع اور خاص طور پر محدّثینِ کرام کی انتھک محنت سے حدیث کی تدوین اور چھان پھٹک میں بڑی مدد ملی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث کی روایت اور پایۂ سند کے اعتبار سے درجے ہیں اور بہت سی روایات کے بارے میں محدّثین نے اعتراض اٹھائے ہیں، لیکن اس سے بحیثیتِ

مجموعی حدیث کی ثقاہت پر حرف نہیں آتا بلکہ اس کی اہمیت اور تاریخی استناد کو مزید تقویت ملتی ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے حدیثوں کی جانچ پرکھ اور راویوں کے معیار کو متعیّن کرنے کے لیے ایسے ایسے علوم کو ایجاد کیا جن کی مثالیں تاریخ عالم میں کہیں اور نہیں ملتیں۔

(د) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تا قیامِ قیامت پوری دنیا والوں کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸)

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر پوری انسانیت کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر!)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر!)

(ھ) آنحضورؐ کا لایا ہوا نظریۂ حیات یعنی دینِ اسلام تمام باطل نظریہ ہائے حیات کو مکمل شکست دے کر عالمی غلبہ حاصل کرے گا۔ چنانچہ از روئے قرآن آنحضورؐ کی بعثت کا مقصدِ وحید دینِ اسلام کا یہ ہمہ گیر غلبہ و اقتدار ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ (التوبۃ: ۳۳، الفتح: ۲۸، الصّف: ۹)

(اللہ ہی وہ ہستی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے پورے نظامِ اطاعت پر غالب کر دے)

(و) نبی آخر الزّمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار تمام فطری نظریہ ہائے حیات کے ماننے والوں میں سب سے بہترین امت ہیں اور انہیں پوری انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کی ذمّہ داری سونپی گئی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران: ۱۰۹)

"تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے اس لیے برپا کیا گیا ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو!"

(ز) نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی مختلف نظریہ ہائے حیات کی کشمکش میں فاتح کی حیثیت سے اُبھریں گے، بلحواۓ آیت قرآنی:

اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (آل عمران: ۱۳۹)

"تم ہی غالب ہو کر رہو گے اگر تم سچے مومن ہو گے۔"

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ (النّور: ۵۵)

"وعدہ کر لیا اللہ نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔ اور جس دین کو اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو ان کے لیے جما کر رہے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔"

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ (المنافقون: ۸)

"اور عزت (غلبہ) تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے۔"

(ح) ذہن انسانی اور خارجی کائنات کے بارے میں قرآن میں مذکور حقائق سائنسی علوم میں ترقی کے ساتھ ساتھ مزید نکھر کر اور وضاحت کے ساتھ انسانوں کے علم میں آئیں گے، یہاں تک کہ کافر اور ملحد بھی آیاتِ قرآنیہ کا حق و صداقت پر مبنی ہونا تسلیم کر لیں گے:

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ (حٰمٓ السجدة: ۵۳)

"عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں (بھی) دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں میں (بھی)، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن واقعۃً) برحق ہے۔"

سوال نمبر ۶۔ کیا اسلام میں غلام رکھنے کی اجازت ہے؟ اور کیا اسلام تعدّدِ ازدواج کو جائز قرار دیتا ہے؟

جواب: غلامی کا مسئلہ

ہم سب سے پہلے غلاموں کے مسئلے کو لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی نبی خلا میں اپنے پیغمبرانہ کام کا آغاز نہیں کرتا۔ نہ تو اس کی تعلیمات بالکل تجریدی نوعیت کی ہوتی ہیں اور نہ ہی وہ یہ سمجھتا ہے کہ پہلے سے کوئی سوسائٹی اپنے مخصوص طور طریقوں کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ نبی جس معاشرے میں بھی مبعوث ہوتا ہے، اسے بہرحال اصلاح کا عمل اسی میں شروع کرنا ہوتا ہے اور وہ لامحالہ اس کی خرابیوں کی درجہ بدرجہ تطہیر سے کام شروع کرتا ہے۔ رسول اپنے معاشرے اور سوسائٹی میں پہلے سے پائی جانے والی رسوم اور عوائد کا خیال رکھتا ہے اور ان میں اصلاح کا کام دفعۃً نہیں کرتا بلکہ اس میں ایک فطری تدریج ملحوظ رکھتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس بات کا امکان ہے کہ لوگ اس کی تعلیمات پر قطعاً کان نہ دھریں۔

انسانی فطرت کے تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھنے والے نظریۂ حیات کے اعتبار سے اسلام (جسے نبی آخرالزماںؐ لے کر آئے) انسانی طبیعت اور انسانی سوسائٹی کے بارے میں ارتقاء پسند فکر رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پوری کائنات کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر ارتقائی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق اسلام کا موقف یہ ہے کہ فردِ انسانی اور انسانی معاشرہ میں صرف درجہ بدرجہ اور فطری تدریج جذبات پہلے دل میں پیدا ہوتے ہیں جن کے زیر اثر اعضاء وجوارح سے درست اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ خارج میں صرف قوانین کی عملداری سے حقیقی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ جوں جوں قلب و ذہن میں خدا کی معرفت اور محبت جاگزیں ہوتی جاتی ہے، خارجی اعمال خود بخود درست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ذہنی وقلبی تبدیلی کے بغیر کوئی شخص قانون کے جبر کے تحت کوئی عمل کرتا بھی ہے تو وہ حقیقی معنوں میں اچھا اخلاقی و دینی عمل نہ ہوگا۔ اسلام نے فطری تدریج کے اصول کو بعض دوسری برائیوں کے تدارک کی طرح غلامی کے خاتمے کے سلسلے میں بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام نے اس ضمن میں اسی عرب معاشرے کو اپنے سامنے رکھا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا اور جو سب سے پہلے آپؐ کی دعوت و تبلیغ کا مخاطب بنا۔

مثال کے طور پر اسلام شراب پینے کی بالصراحت ممانعت کرتا ہے اور مندرجہ ذیل آیت

میں اس کی حرمت مذکور ہے:

رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ (المائدۃ: ۹۰)

"(یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں، پس ان سے باز رہو!"

لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس حکم کی آخری تنفیذ مختلف مراحل سے گزر کر ہوئی مثلاً شروع شروع میں شراب کے استعمال کو برقرار رکھا گیا اس شرط یا قید کے ساتھ کہ حالتِ سکر میں کوئی شخص نماز نہ پڑھے یعنی نماز پڑھنے کے لیے لازمی ہے کہ وہ پورے طور پر ہوش وحواس میں ہو:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ

"اے ایمان والو، نزدیک نہ جاؤ نماز کے جبکہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ (نشہ اتر جائے اور) تم سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔"

اس ہدایت کا مقصد صاف طور پر یہ تھا کہ مسلمانوں کو رفتہ رفتہ شراب کو کاملتاً چھوڑنے کے لیے تیار کیا جائے۔ چونکہ ذکر یعنی نماز کی اہمیت ان کے نزدیک شدید تھی اور شراب سے اس کی مغائرت پیدا کر کے مسلمانوں کے ذہنوں میں اس کے استعمال سے بُعد پیدا کرنا مقصود تھا، اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ حالتِ نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جائیں۔ بالکل اسی طرح اسلام اس بات کا سخت مخالف ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کے غلام ہوں کیونکہ ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور سبھی ایک انسانی جوڑے کی اولاد ہیں، اور یہ کہ اسلام میں کوئی شخص پیدائشی طور پر افضل و برتر نہیں بلکہ شرفِ انسانیت میں سب برابر ہیں اور فضیلت و بزرگی کی بنیاد صرف خدا خوفی اور تقویٰ میں زیادتی ہے۔ کوئی شخص نسل، زبان، یا رنگ کی بنیاد پر کسی دوسرے پر برتری نہیں رکھتا۔ یہ سب چیزیں صرف باہمی تعارف میں معاونت کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلاقیت کی نشانیاں ہیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ

(الحجرات: ۱۳)

"اے لوگو، ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور (پھر) تم کو

کنبوں اور قبیلوں میں (تقسیم) کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط (الروم: ۲۲)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔"

تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے بلفحوائے آیت قرآنی:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰)

یقیناً (تمام) مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھائی دوسرے بھائی کا غلام اور کوئی کسی کا آقا نہیں ہو سکتا یعنی اس آیت سے غلامی کی مکمل نفی ہو جاتی ہے۔ مزید برآں غلاموں کو خرید کر آزاد کر دینے کو بہت بڑی نیکی کا کام قرار دیا گیا ہے۔ اس عمل کو انفاق فی سبیل اللہ کی طرح نہ صرف ایمان و تقویٰ کی ناگزیر شرط قرار دیا گیا ہے بلکہ ان لوگوں کا شیوہ بتایا گیا ہے جو جنت میں داخل ہوں گے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (البلد: ۱۱ تا ۱۸)

"مگر وہ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور نہ کر سکا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے علاوہ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں (کے زمرے) میں ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔"

دوسری جانب قرآن میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو کوئی اس کے جملہ احکامات کو (بشمول اس حکم کے کہ غلاموں

کو آزاد کیا جائے۔) درخورِ اعتنا نہیں سمجھے گا وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ چنانچہ اگلی ہی دو آیاتِ کریمہ یہ ہیں: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ (البلد: ۱۹-۲۰)

"اور جن لوگوں نے ہماری آیات (کو ماننے) سے انکار کیا وہ ہیں کمبختی والے۔ ان پر (دوزخ کی) آگ (ڈھانک کر) بند کر دی جائے گی۔"

تاہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ غلامی کو یک لخت ختم کر دینا شاید اُس معاشرے میں ممکن نہ تھا اور ویسے بھی اس سے بے شمار معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہو جاتے۔ چنانچہ قرآن نے اس میں تدریج سے کام لیا اور مسلمانوں میں رفتہ رفتہ وہ اخلاقی حس بیدار کی جس کی وجہ سے اہلِ ایمان نے از خود نیکی کے حصول کے لیے اپنے غلاموں کو آزاد کیا اور اس تعلیم کو خارج سے جبر کے ساتھ عمل کروانے والی تعلیم نہ سمجھا۔ چنانچہ جب تک کسی مسلمان کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے غلام آزاد کر سکے اس کے لیے یہ تاکید تھی کہ وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے یہاں تک کہ مالک و غلام میں کوئی فرق نہ رہے۔ چنانچہ قرآنی احکام کا مقصد نہ صرف غلامی کے ادارے کی خرابیوں کا رفتہ رفتہ تدارک تھا بلکہ مسلمانوں میں اس مثبت جذبے کا پیدا کرنا بھی تھا جس کے تحت وہ اپنی مرضی سے غلاموں کو آزاد کر دیں۔ اسی حکمت کے تحت مسلمانوں کو مکاتبت کے اصول کو اپنانے کا بھی حکم دیا گیا۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن اور سنّتِ رسولؐ دونوں سے نئے غلاموں کی خرید و فروخت کا قطعاً کوئی جواز نہیں نکالا جا سکتا۔ جب کہ متعدد حوالوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب کثرت سے ملتی ہے۔

اپنی جگہ یہ حقیقت تاریخی طور پر ناقابلِ تردید ہے کہ اسلام کی تعلیمات نے غلامی کے ادارے کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں کہ جہاں جہاں اسلام گیا وہاں سے غلامی کی لعنت ختم ہو گئی۔ لندن کے اخبار "ٹائمز" (۱۴ نومبر ۱۸۸۷ء) میں شائع شدہ سر جوزف تھامسن کے خط کا مندرجہ ذیل حصہ اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے:

"مشرقی وسطی افریقہ میں طویل ترین قیام اور مشاہدے کے بعد میں بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ اگر اس علاقے میں غلاموں کی خرید و فروخت زوروں پر ہے تو اس کی وجہ وہاں اسلام کا نہ پہنچنا ہے۔ وہاں اسلام کی اشاعت و ترویج سے یقیناً غلاموں کی تجارت میں خاطر خواہ کمی واقع ہوتی۔"

صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت رجوعِ اِلی القرآن

کا منظر و پس منظر

چھپ کر آ گئی ہے ــــ ضرور مطالعہ کیجئے ــــ دوسروں تک پہنچائیے

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلّد -/۶۵ روپے ■ غیر مجلّد -/۵۰ روپے